ایمانِ والدینِ مصطفیٰ ﷺ

ازرشحاتِ قلم

شیخ الاسلام
شیخ محمد بن علوی المالکی

محقق العصر
مفتی محمد خان قادری

مرتب:
محمد نعیم جاوید نوری

فیضانِ رسول فاؤنڈیشن
جامع مسجد حنفیہ فیضانِ رسول شام نگر چوبرجی لاہور

سلسلہ اشاعت 7

ایمانِ والدینِ مصطفیٰ ﷺ

از رشحاتِ قلم

شیخ الاسلام
شیخ محمد بن علوی المالکی

محقق العصر
مفتی محمد خان قادری

مرتب:
محمد نعیم جاوید نوری

فیضانِ رسول فاؤنڈیشن

جامع مسجد حنفیہ فیضانِ رسول شام نگر چوبرجی لاہور

رقم المسلسل ———
جامعہ اسلامیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت 7

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
صَدَقَ اللهُ الْعَظِيمُ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب......ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
تالیف......شیخ محمد بن علوی المالکی / مفتی محمد خان قادری
صفحات......48
طباعت......اول (جون 07)
تعداد......1100
قیمت......دعائے خیر بحق جملہ معاونین

اس اہم رسالہ کی اشاعت کے سلسلہ میں برادرم محمد کاشف افضل صاحب، چوہدری رشید اختر صاحب، اور محترم محمد الیاس مغل صاحب نے خصوصی تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان احباب اور فیضان رسول فاؤنڈیشن کے جملہ معاونین کے رزق، عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور جملہ پریشانی سے محفوظ اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی کریم

دعا گو: محمد نعیم جاوید نوری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تحریر: مفتی محمد خان قادری

حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے بارے میں چار اقوال ہیں :

۱ ۔ اُن کی موت دینِ ابراہیمی پر ہوئی ۔
۲ ۔ اُن کی موت کفر پر ہوئی ۔ (نعوذ باللہ)
۳ ۔ وہ دینِ فطرت پر تھے ۔
۴ ۔ وہ فوت تو دینِ فطرت پر ہوئے تھے مگر حضور علیہ السلام نے اُن کو بطور معجزہ زندہ فرما کر اسلام کی دولت سے بھی نوازا تاکہ مقامِ صحابیت پر بھی فائز ہو جائیں ۔

مندرجہ بالا اقوال میں سے دوسرا قول علماء نے رد فرمایا ہے ۔ باقی تین اقوال علماء کے ہاں مقبول ہیں۔ ان میں سے جو بھی لیا جائے ، کوئی حرج نہیں کیونکہ ان صورتوں میں وہ جنتی کہلائیں گے

قرآن پاک کی بہت سی نصوص اور متعدد احادیث مبارکہ اس پر شاہد ہیں کہ آپ کے والدین کریمین اللہ تعالیٰ کے ماننے والے تھے ۔ ہم ان میں سے بعض کا تذکرہ کرتے ہیں :

۱ ۔ قرآن اور آپ کا پاکیزہ رحموں میں منتقل ہونا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

وَ تَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء : ۲۶ ، ۲۱۹ــ۲۱۷)

آپ توکّل اسی ذات پر کریں جو غالب ورحیم ہے۔ وہ (اللہ) آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں اور آپ کا ساجدین میں گردش کرنا بھی ملاحظہ کرتا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیّدنا عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اراد "تقلبك" فی اصلاب الانبیاء من نبی الیٰ نبی حتی اخرجتك فی ھذہ الامۃ۔ (الخازن : ۵ ، ۱۰۷)

یہاں گردش سے مراد انبیاء علیہم السلام کی مبارک پشتوں میں یکے بعد دیگرے منتقل ہونا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس امّت میں مبعوث ہوئے۔

سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور تفسیر ان الفاظ میں منقول ہے:

ای "تقلبك" من الاصلاب الطاھرۃ من أب الیٰ أب الیٰ ان جعلك نبیّا۔ (مسالک الحنفاء : ۴۰)

یعنی گردش سے مراد پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ پشتوں کیطرف منتقل ہونا ہے۔

ساجدین سے مُراد مؤمنین ہیں

آیتِ مبارکہ میں مفسّرین نے ساجدین سے مراد مؤمنین لیے ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت آدم وحضرت حوّا علیہما السلام سے حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ علیہما السلام تک جن جن کے رحموں اور پشتوں میں جلوہ افروز ہوئے وہ تمام کے تمام صاحبِ ایمان ہیں۔

تفسیر جمل میں ہے :

ای یرٰلک متقلباً فی اصلاب وارحام المؤمنین من لدن آدم وحوا الی عبداللہ وآمنۃ فجمیع اصولہ رجالاً و نساءً مؤمنون ۔ (الجمل : ۳ ، ۲۹۶)	اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت آدم وحوا سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ تک جن جن مؤمن مردوں اور عورتوں کے رحموں اور پشتوں میں آپ منتقل ہوئے ان کو آپ کا رب ملاحظہ کر رہا ہے پس آپ کے تمام آباء و اجداد خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں تمام اہلِ ایمان میں سے ہیں ۔

صاوی علی الجلالین میں ہے :

المراد بالساجدین المؤمنون والمعنی یرٰلک متقلباً فی اصلاب وارحام المؤمنین من لدن ادم الی عبد اللہ فاصولہ جمیعاً مؤمنون ۔ (صاوی : ۳ ، ۲۸۷)	ساجدین سے مراد اہلِ ایمان ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک آپ نے جن مؤمنین کے رحموں اور پشتوں میں گردش کی اللہ تعالیٰ نے اسے ملاحظہ فرمایا ۔ (اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء مؤمن تھے ۔

امام فخر الدین رازی اسی آیت سے اس بات پر کہ ، حضور علیہ السلام کے والدین شریفین اہلِ ایمان تھے ، استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ان اباء الانبیاء ما کانوا کفاراً یدل علیہ قولہ	اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی : اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ

تعالیٰ : اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ قِیْلَ مَعْنَاہُ ینتقل نورہ من ساجدٍ الی ساجدٍ (تفسیر کبیر)

فِی السّٰجِدِیْنَ اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں ہو سکتے۔

۲۔ قرآن اور آپ کے والدِ گرامی کی قسم

قرآن مجید نے جہاں ذاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے وہاں اس نے آپ کے والدِ گرامی کی بھی قسم کھائی ہے اور قرآن کا یہ قسم کھانا آپ کے نسب کی طہارت و کرامت پر شاہد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ

قسم ہے والد کی اور قسم ہے مولود کی۔

(البلد : ۹۰، ۳)

اس آیۂ کریمہ میں ہر اس والدِ گرامی کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے جس کے صلب میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ السلام کے دادا حضرت عبدالمطلب اور پھر آپ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کی پشتِ مبارک میں مستقر ہوا اور پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ پاک سے صورتِ انسانی میں ظہور پذیر ہوا۔ گویا وہ تمام افراد جو نسبِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہیں، موردِ قسم ٹھہرائے گئے۔

قرآن مجید نے والد کی قسم کھانے کے بعد اس مولود کی قسم وَمَا وَلَدَ کہہ کر کھائی جس کے تصدق سے تمام سلسلۂ نسب لائقِ قسم گردانا گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں :

المراد بالوالد آدم و ابراهیم علیهما السلام او ای والد کان - وَمَا وَلَدَ" محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.
(التفسیر المظہری : ۱۰ / ۲۶۴)

اس آیت میں لفظ "والد" سے مراد یا تو حضرت آدم و ابراہیم علیہما السلام ہیں یا ہر ہر والد مراد ہے اور "وَمَا وَلَدَ" سے مراد نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

۳۔ قرآن نے آپ کے نسب کو تمام انساب سے اعلیٰ قرار دیا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ
(التوبة : ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس وہ رسول آئے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت خواہاں ایمان والوں کے لیے نرم خو (اور) بے حد رحیم ہیں۔

مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اس آیت کی تلاوت میں "اَنْفُسِكُمْ" کی بجائے "اَنْفَسِكُمْ" "فا" کی زبر کے ساتھ اسم تفضیل کے طور پر پڑھا۔

قَرَءَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ" بفتح الفاء وقال انا انفسکم نسبا

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَنْفَسِكُمْ کو فاء کی زبر کے ساتھ تلاوت کیا اور فرمایا کہ میں حسب و نسب میں تم سب سے زیادہ پاکیزہ ہوں۔ میرے آباء و اجداد میں حضرت آدم سے لیکر

وصهرًا و حسبًا لیس	حضرت عبداللہ تک کسی نے
من ابائی من لدن آدم	بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔
سفاح۔	

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طہارت نسبی پر مذکورہ بالا ارشادِ قرآنی کی توثیق و تصدیق کی صورت میں صراحت کے ساتھ آپ کے حسب و نسب کو بنی آدم میں سب سے افضل اور اعلیٰ قرار دیا اور یہ وضاحت فرما دی کہ میرے محبوب کے تمام آباء و اجداد سفاحت یعنی بدکاری سے پاک تھے۔

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قراءت کے بارے میں نقل کیا ہے۔

احادیث مبارکہ

خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ کے ذریعے اپنے نسب کی کرامت و طہارت کی نشاندہی بھی فرما دی تاکہ کسی بھی شخص کو آپ کے نسب کے بارے میں کسی بھی بدگمانی کی جرأت نہ ہو۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

ان اللہ خلق الخلق فجعلنی	جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا
فی خیر فرقتھم ثم خیر	فرمایا تو مجھ کو ان میں سے بہترین گروہ
القبائل فجعلنی فی خیرھم	میں شامل فرمایا۔ پھر قبائل بنائے تو
خلق البیوت فجعلنی فی خیر	مجھے بہترین قبیلہ عطا فرمایا۔ جب
بیوتھم فانا خیرھم نفسًا	گھرانے بنائے تو مجھے اُن میں سے
و خیرھم بیتًا۔	اعلیٰ خاندان عطا فرمایا: میں از روئے

(ترمذی : ۲، ۲۲۳) ذات اور خاندان کے سب سے افضل ہوں۔

۲۔ دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات۔ — مجھے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرمایا۔

۳۔ مسند بزار میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش میں سے کچھ لوگ میری پھوپھی —— حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اپنے حسب ونسب پر تفاخر کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا نسب سب لوگوں سے اعلیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نسب ہی سب سے اعلیٰ ہو سکتا ہے نہ کہ تمہارا۔ اس پر وہ تمام لوگ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب تو ایسے ہے جیسے کوئی کھجور کا پودا کسی کوڑے کرکٹ سے اُگ آئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام واقعہ حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو

فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و امر بلالا فنادی فی الناس فقام علی المنبر — رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ تمام لوگوں کو جمع کرو۔ اس کے بعد آپ اپنے مقدس منبر پر جلوہ افروز ہوئے

اور لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا:

ایھا الناس! من انا؟ قالوا — اے لوگو! میں کون ہوں؟ انہوں نے

انت رسول الله ؛ — عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا :

انسبونی ! فقالوا محمد ابن عبد الله بن عبد المطلب ۔ — میرا نسب بیان کرو ۔ انہوں نے نسب بیان کرتے ہوئے کہا آپ حضرت عبداللہ کے بیٹے اور حضرت عبد المطلب کے پوتے ہیں ۔

اس پر آپ نے فرمایا :

فما بال اقوام ینزلون اصلی فو الله انی لافضلهم اصلاً وفیه خیرهم موضعاً ۔ — اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے نسب کو کم تصور کرتی ہے انہیں علم ہونا چاہئیے کہ میں نسب کے لحاظ سے ان سے افضل ہوں ۔

(مسالک الحنفاء بحوالہ مسند بزار : ۱۳۲)

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں :

فانا خیرهم نسباً وخیرهم بیتاً ۔ (الترمذی : ۲ : ۲۲۳) — میں نسب اور خاندان کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں ۔

۴ ۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اور اپنے خاندان کی فضیلت کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا :

قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم ار رجلاً افضل من محمد علیه الصلوٰة و السلام ولم اربنی اب — میں نے زمین کے تمام گوشے مشارق و مغارب میں گھوم کر دیکھے ہیں لیکن کوئی شخص آپ سے افضل نظر نہیں آیا اور نہ ہی کوئی خاندان بنی ہاشم کے خاندان سے

افضل من بنی هاشم ۔ — بڑھ کر افضل دکھائی دیا ۔

(مشکوٰۃ المصابیح : ۵۱۱)

آفاقہا گردیدہ ام — مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام — لیکن تو چیزِ دیگری

والدین شریفین کا زندہ ہو کر اسلام لانا

بعض روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کے والدین کریمین موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر آپ کی ذات اقدس پر ایمان لائے اور ان کی یہ زندگی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات میں سے ہے ۔

امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حجون قبرستان" میں تشریف لے گئے ۔

نزل الحجون حزینا فاقام بها ماشاء الله عزوجل ثم رجع مسرورا — اور کیفیت یہ تھی کہ آپ نہایت ہی پریشان اور غمگین تھے وہاں اللہ تعالےٰ کی مشیت کے مطابق آپ ٹھہرے رہے ۔ اس کے بعد خوشی کی حالت میں آپ واپس ہمارے پاس تشریف لائے ۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ پہلے غمگین تھے مگر واپسی پر نہایت خوش نظر آرہے ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

سألت ربي فاحيالي امی فامنت بی ثم ردها ۔ — میں نے اپنے رب کریم کے حضور اپنی والدہ ماجدہ کے بارے میں عرض کیا

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو میری خاطر زندہ
فرمایا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور اس کے
بعد ان کو برزخ کی طرف لوٹا دیا گیا

(نور الهدیٰ : ۲۴ بحوالہ المعجم الاوسط)

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے "السابق و اللاحق" میں اور حافظ عمر بن عثمان نے کتاب "الناسخ و المنسوخ" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہمارے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ مجھے ساتھ لے کر حجون کے قبرستان میں رونق افروز ہوئے۔ آپ نہایت ہی غمگین تھے۔ آپ نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ میں اونٹ کے کجاوے کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔

فمکث عنی طویلاً ثم انہٗ عاد الیّ وھو فرح متبسم فقلت لھا بابی و امی یا رسول اللہ نزلت من عندی انت باکٍ حزیناً فبکیت مبکائک ثم عدت الیّ و انت متبسم فمماذا یارسول اللہ قال ذھبت الی قبر امی فسالت اللہ ان یحیھا فاحیاھا فامنت بی ثم ردھا۔

(السابق واللاحق : ۳۷۷ مطبوعہ ریاض)

کافی دیر کے بعد آپ واپس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ نہایت ہی خوش وخرم اور مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ میرے پاس سے غمگین حالت میں تشریف لے گئے تھے۔ میں بھی آپ کے رونے کی وجہ سے روتی رہی۔ اب آپ بہت ہی خوش ہیں۔ اس خوشی کا سبب کیا ہے! آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت کے لیے گیا تھا اور میں نے باری تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سوال کیا کہ باری تعالیٰ

میری والدہ کو زندہ فرما! اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں اور دوبارہ تشریف لے گئیں۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

اگر اس موقع پر یہ سوال کیا جائے کہ سابقہ گفتگو میں جن آیات اور احادیث کا ذکر آیا ہے ان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے والدین فوت ہونے سے پہلے ہی موحد مسلمان تھے جب کہ مذکورہ روایات واضح طور پر نشاندہی کر رہی ہیں کہ پہلے مسلمان نہ تھے بلکہ دوبارہ زندہ ہو کر اسلام لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے والدین واقعتاً پہلے ہی مسلمان تھے۔ اب دوبارہ زندہ ہو کر اسلام اس لیے نہیں لائے کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ درجۂ صحابیت پر فائز ہو جائیں۔

امام عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

والجمع ان الاحیاء کرامۃ لھما یضاعف ثوابھما۔

(النبراس: ۵۲۷)

ان روایات کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ ان کو زندہ اسلام لانے کے لیے نہیں کیا گیا تھا فقط اس لیے کہ ان کی عزت و کرامت کا اظہار اور ان کے درجات میں مزید اضافہ ہوا۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ آپ کے آباء واجداد میں کوئی کافر و مشرک نہیں۔ کیونکہ کافر و مشرک کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فرما کر پلید قرار دیا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ اپنے تمام آباء کو پاکیزہ کس طرح فرما سکتے تھے؟

ائمۂ امت کے اقوال

یہاں ہم علماءِ امت میں سے بعض مسلّمہ شخصیات کی تصریحات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ کے والدین کریمین کو مسلمان تصوّر کرنا چاہئیے۔

۱۔ امام فخر الدین رازی (جو کہ تمام مفسّرین کے سرتاج ہیں) آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ففیہ دلالۃ ان جمیع اٰباءہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا مسلمین (تفسیر کبیر)

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ آپ کے تمام آباء واجدادِ گرامی مسلمان تھے۔

۲۔ حافظ ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان اٰباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و امھاتہ الی اٰدم و حوا لیس فیھم کافر لان لا یقال فی حقہ طاھر بل ھو نجس۔ (افضل القرٰی)

آپ کے آباء و امّہات حضرت آدم و حوا تک تمام کے تمام مسلمان ہیں کافر نہیں۔ کیونکہ کافر نجس ہوتے ہیں طاہر نہیں ہوتے۔ (حالانکہ کتاب وسنت نے آپ کے آباء و اجداد کو طاہر قرار دیا ہے)۔

۳۔ مشہور مفسّر قرآن امام قرطبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے خصائصِ مبارکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لیس احیاءھما وایمانھما یمتنع عقلاً ولا شرعاً فقد ورد فی الکتٰب العزیز

آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا نہ عقلاً ناممکن ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر مُردوں

احیاء قتیل بنی اسرائیل و اخباره بقاتله وکان عیسی علیه السلام یحیی الموتی وکذلك نبینا صلی الله علیه وآله وسلم احیاء الله تعالیٰ علی یدیه جماعة من الموتی واذا ثبت هذا فلا یمنع ایمانهما بعد احیاءهما فیکون ذلك زیادة فی کرامته و فضیلته۔

(التذکرہ للقرطبی ۱: ۲۵)

کا زندہ ہونا بیان کیا ہے ۔ مثلاً بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کے بارے میں تبلانا ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بطور معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا ، اسی طرح احادیث میں ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں موجود ہے کہ آپ نے بہت سے مُردوں کو زندہ فرمایا ۔ جب تمام باتیں ثابت ہیں تو پھر آپ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے کو تسلیم کر لینا چاہیئے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و فضیلت ہے ۔

۴ ۔ امام زرقانی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؛

اذا سئلت عنهما فقل هما ناجیان فی الجنة ۔

(زرقانی علی المواهب ۱: ۱۸۶)

اے مسلمان ! جب کوئی تجھ سے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے بارے میں پوچھے تو جواباً کہہ کہ وہ تو اہل جنت میں سے ہیں ۔

۵ ۔ امام جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر مستقل سات کتابیں لکھی ہیں جس میں ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنتی ہیں ، ان کے اسماء درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ مسالك الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم۔

۲ ۔ الدرج المنیفة فی الآباء الشریفة

۳۔ المقال السندسية فی النسبة المصطفوية
۴۔ التعظیم والمنة فی أن أبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الجنة۔
۵۔ نشر العالمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین۔
۶۔ السبل الجلیة فی الاباء العلیة۔
۷۔ الفوائد الکامنہ فی ایمان السیدة آمنة۔

۶۔ امام شامی (جن کا فتوی تمام امت مسلمہ کے ہاں مقبول ہے) لکھتے ہیں:

الا تری ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتی امنا بہ کما فی الحدیث صححہ القرطبی و ابن ناصر الدین دمشقی بالایمان بعد علی خلاف القاعدة اکراما لنبیھم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
(فتاوے شامی: ۱: ۲۹۸)

حدیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین (بھی) بطور معجزہ ایمان لائے۔ امام قرطبی، حافظ ناصر الدین دمشقی جیسے مسلمہ لوگوں نے مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ تمام بطور خرقِ عادت فقط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام کے پیش نظر ہوا۔

۷۔ ابن نجیم "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں:

ومن مات علی الکفر ابیح لعنہ الا والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

ہر فوت شدہ کافر پر لعنت کرنا جائز ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین چونکہ زندہ ہو کر اسلام لے

آله وسلم لثبوت ان الله تعالیٰ احیاهما حتی امنا به۔	آئے لہٰذا ان کے بارے میں جائز نہیں

(الاشباہ والنظائر: ۴۵۳)

۸۔ قاضی ابوبکر ابن العربی سے کسی سائل نے ایسے شخص کے بارے میں یہ سوال کیا کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ دوزخ میں ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

انه ملعون لقوله تعالیٰ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا" ولا اذی اعظم من ان یقال ابویه فی النار۔ (روح المعانی)	وہ شخص لعنتی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ "وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے رسواکن عذاب ہے۔" اور کسی کے والدین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ آگ میں ہیں اس سے بڑھ کر اذیت نہیں ہوسکتی۔

۹۔ علامہ آلوسی وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والاستدلال علی ایمان ابویه صلی الله علیه وسلم کما ذهب الیه کثیر من اجلة اهل السنة و انا اخشی الکفر علی من یقول فیهما رضی الله عنهما علی	اکثر اکابر اہل سنت نے اس آیت سے آپ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے (جو درست ہے) ملا علی قاری کی ناک خاک آلود ہو، میں اس شخص کے بارے میں ڈرتا ہوں جو آپ کے والدین کے کفر کا قائل ہے کیونکہ

رغم انف علی القاری۔ کہیں وہ خود کافر نہ ہو جائے۔

(روح المعانی ۲ : ۲۴۲)

۱۰۔ امام ناصر الدین ابن المنیر مالکی اپنی تصنیف " المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ " میں تحریر کرتے ہیں :

فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا اللہ تعالیٰ ان یحیی لہ ابویہ فاحیاھما و امنا بہ وصدقا و ماتا مؤمنین۔

(لنشر العالمین : ۵۷)

حدیث میں موجود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں دعاء کی جس پر آپ کے والدین نے زندہ ہو کر ایمان قبول کیا اور دونوں نے تصدیق کی اور ایمان کی حالت میں رخصت ہوئے۔

۱۱۔ صاحب تاریخ الخمیس نے امت کے اکثر اکابر کا یہی مسلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

و یذھب جمع کثیر من الائمۃ الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ناجیان محکوم لہما بالنجاۃ فی الاخرۃ و ھم اعلم الناس باقوال خالفھم۔ (تاریخ الخمیس : ۱، ۳۰۱)

اکثر ائمہ اور اکابر کا مسلک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین آخرت میں نجات پائیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف قول ہے بھی تو یہ لوگ اسے بہتر جانتے ہیں۔

۱۲۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام کا معاملہ متقدمین پر

مستور تھا اور متاخرین پر ظاہر کیا گیا

واما متاخرین پس تحقیق اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمام آباء و امہات آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا آدم علیہ السلام و این علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آنرا حق تعالیٰ بر متاخرین واللہ یختص برحمتہ من یشاء بما شاء من فضلہ۔

(اشعۃ اللمعات ا، ۷۱۷-۷۱۸)

مگر متاخرین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسلام کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آدم علیہ السلام تک حضور علیہ السلام کے تمام آباء و امہات کے اسلام کا اثبات کیا ہے۔ گویا یہ علم متقدمین پر مستور رہا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر ظاہر کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اور اپنے فضل میں سے جو کچھ چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

۱۳۔ عارفِ کامل سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضور علیہ السلام کے والدین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا۔ سوال و جواب دونوں ملاحظہ ہوں:

سوال: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اسلام پر فوت ہوئے یا کہ نہیں؟ اگر اسلام پر نہیں تو کس پیغمبر صاحب کے دین پر تھے؟؟

آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا ایمان ثابت کرتے ہوئے فرمایا:

"اثباتِ اسلام کے تین طریقے ہیں:

اوّل یہ کہ والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینِ ابراہیم خلیل اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے۔

دوم یہ کہ دونوں صاحب "زمانۂ فترت" میں تھے نہ کہ زمانۂ نبوت میں، یعنی ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاء سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے۔ چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہِ ایزدی میں سوال کیا کہ الٰہی! میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر آپ کے والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کیا۔ اگرچہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے۔ اور اس حدیث کی علماءِ متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے۔ لیکن متاخرین محققین نے "حدیث احیاء" کی تصحیح وتحسین کئی طرح سے فرمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "حدیث احیاء" ان احادیث سے جن کو متقدمین محدثین نے روایت کیا ہے، متأخر ہے۔

گویا کہ یہ علم متقدمین میں سے ایک گونہ پوشیدہ و مستور تھا اور متاخرین پر اللہ تعالےٰ نے کھول دیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء من فضلہ۔

(فتاوٰے مہریہ : ۱۲)

بعض مغالطوں کا ازالہ

اس مسئلے میں منکرین کی طرف سے بعض سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ اس لئے اب ہم ان سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال ۱: مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا

این ابی یا رسول اللہ ؟	یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے ؟
فقال فی النار۔ فلما قفا	آپ نے فرمایا جہنم میں! جب وہ
دعاہ فقال ان ابی و	واپس لوٹا تو آپ نے دوبارہ بلا کر فرمایا
اباك فی النار ۔ (المسلم)	تیرا اور میرا باپ جہنم میں ہیں۔

اس روایت میں واضح طور پر جب موجود ہے کہ آپ کے والد آگ میں ہیں تو اس کے بعد ان کے ایمان کا عقیدہ کیسے رکھا جا سکتا ہے ؟

جواب : ائمہ محدثین نے اس روایت کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں :

۱ ۔ اس روایت میں "حماد" راوی نے روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے تصرّف سے کام لیا ہے۔ کیونکہ یہی روایت "معمر" اور دیگر رواۃ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ ہی نہیں۔ حالانکہ معمر، حماد سے زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

ان ھذہ اللفظۃ وھی	روایت کے یہ الفاظ "ان ابی
قولہ "ان ابی و اباک	و اباک فی النار" پر تمام
فی النار" لم یتفق علی	راوی متفق نہیں ہیں۔ ہاں ان الفاظ

ذكرها الرواة وانما ذكرها
حماد ابن سلمة عن ثابت
عن انس وهي الطريق
التي رواه مسلم منها و
قد خالفه معمر عن
ثابت فلم يذكر "ان ابي
و اياك في النار اذا
مررت بقبر كافر فبشره
بالنار۔

و هذا اللفظ لا دلالة فيه
على والده صلى الله عليه وسلم
بامر البتة وهو اثبت
من حيث الرواية فان
معمرا۔ اثبت من حماد
فان حمادا تكلم في حفظه
و وقع في احاديثه مناكير
ذكروا ان ربيبه دسها في
كتبه وكان حماد لا يحفظه
فحدث بها فوهم فيها
و اما معمر فلم يتكلم في
حفظه ولا استنكر شئ من حديثه۔

کو صرف حماد نے روایت کیا اور امام
مسلم نے اسی راوی کے حوالے
سے ان الفاظ کو نقل کیا ہے۔ معمر
سے یہی روایت مروی ہے لیکن
انہوں نے یہ الفاظ ذکر نہیں کئے۔
بلکہ اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "اذا
مررت بقبر کافر فبشرہ
بالنار۔" ان الفاظ میں کہیں بھی
آپ کے والد گرامی کا تذکرہ نہیں۔
حالانکہ یہ روایت سابقہ روایت
سے محفوظ تر ہے۔ کیونکہ معمر حماد
سے کہیں احفظ ہے اور اس پر
واضح شہادت یہ ہے کہ حماد کے
حفظ کے بارے میں لوگوں نے کلام
کیا ہے اور اس سے مروی بہت سی
احادیث منکر ہیں اور محدثین نے
تصریح کی ہے کہ اس کے پروردہ
بیٹے نے اس کی کتب کو خلط ملط
کر دیا تھا۔ اب حماد جب روایت کرتے
تو اس میں وہم کا شکار ہو جاتے تھے۔
رہے معمر تو ان میں یہ تمام باتیں نہیں

(مسالک الحنفاء ، ۱۴۶) نہ توان کے حافظے کے بارے میں کلام ہے اور نہ ہی کوئی منکر روایت ان سے مروی ہے۔

یعنی حضرت معمر سے مروی روایت میں یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کی جگہ دیگر الفاظ موجود ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں : "اذا مررت لقبر کافر فبشرہ بالنار"۔ اور حضرت معمر سے مروی الفاظ کی تائید حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو مسند بزار ، طبرانی ، بیہقی اور ابن ماجہ نے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے ۔ ان کتب میں روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں ۔

جاء اعرابي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان ابي كان يصل الرحم فاين هو؟ قال في النار - فقال يا رسول الله فاين ابوك؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم حيثما مررت بقبر مشرك فبشره بالنار۔

ایک اعرابی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا ، یارسول اللہ میرا والد صلہ رحمی کیا کرتا تھا ۔ اب وہ کہاں ہے ؟ آپ نے فرمایا آگ میں ۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ! آپ کے والد کہاں ہیں ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا ۔ جب بھی تیرا گزر کسی مشرک کی قبر سے ہو تو اسے آگ کی بشارت دے ۔

ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا

اور اسلام لانے کے بعد کہا کرتے تھے کہ کاش میں آپؐ سے یہ سوال نہ کرتا۔ کیونکہ سوال کر کے یہ ذمّہ داری لی ہے۔

لقد کلفنی رسول اللہ	میں نے اپنے آپ کو تکلیف میں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مبتلا کر لیا ہے کہ جب بھی میں کسی
تعبًا ما مررت بقبر	کافر کی قبر کے پاس سے گزروں تو
کافر الا بشرته بالنار۔	اسے جہنم کے بارے میں اطلاع
(ابن ماجہ)	دوں۔

یعنی اگر میں سوال نہ کرتا تو ہر کافر کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے یہ جملہ کہنا لازمی نہ تھا۔ مگر اب چونکہ میرے آقا نے ارشاد فرما دیا ہے لہٰذا مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزروں گا تو یہ جملہ کہوں گا تاکہ آقا کے ارشاد پر عمل ہو۔

۲۔ یہاں اَبْ سے مراد آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ نہیں بلکہ ابولہب وغیرہ ہیں جو کہ آپ کے چچا ہیں۔ چونکہ ابؐ کا اطلاق چچا پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ نے یہاں ابؐ کا لفظ استعمال فرمایا۔ قرآن وحدیث میں لفظ ابؐ چچا کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ	اس وقت کو یاد کیجیے جب حضرت
مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ	یعقوبؑ نے فرمایا میرے بیٹو تم میرے
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ	بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں
اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ	نے عرض کیا ہم آپ کے اِلٰہ اور آپ
اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ	کے آباء حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ٥ — واسحٰقؑ کے خدا کی عبادت کریں گے۔

(البقرہ : ۲، ۱۳۳) — اور ہم اسی کی طاعت بجالانے والے ہیں۔

اس آیت میں چچا (اسماعیل علیہ السلام) کو "اَبٌ" کہا گیا ہے۔ امام رازی اسی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فسمّوا اسمٰعیل ابًا لہ مع انہ کان عمًّا لہ۔ — انہوں نے حضرت اسماعیل کو اُبٌ کہا حالانکہ وہ آپ کے چچا تھے۔

(تفسیر کبیر : ۲۴، ۱۷۴)

ترمذی شریف میں سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عم الرجل صنو ابیہ۔ — آدمی کا چچا بمنزلۂ باپ ہی کے ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپؐ نے اپنے چچا عباسؓ کے بارے میں فرمایا: ۔

ردّوا علیّ ابی۔ — مجھے میرا باپ (چچا عباسؓ) لوٹا دو۔

(تفسیر کبیر : ۲۴، ۱۷۴)

مسلم شریف کی روایت میں لفظ اَبٌ سے چچا مراد لینا درج ذیل وجوہ کے سبب ضروری ہے :

۱۔ کتاب وسنّت میں حضور علیہ السلام کے تمام آباء واجداد کو طاہر قرار دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے والد گرامی کو (نعوذ باللہ) کافر سمجھا جائے تو ان نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

۲۔ "اَبٌ" کا یہاں چچا پر اطلاق اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو چکا تھا۔ اُن کے لیے آپ پر ایمان لانا

ضروری ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ان پر گرفت کیسی؟ کیونکہ قرآن کا فیصلہ ہے:

مَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (الاسراء ۱۷: ۱۵)

ہم اس وقت کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں جب اُن کے پاس کوئی نہ کوئی رسول پہنچ جائے۔

اس قرآنی اصول کے مطابق آپؐ کے والدِگرامی کے بارے میں کہ وہ جہنّم میں ہیں کوئی ادنیٰ مؤمن بھی نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہیں۔

سوال ۲: مسلم شریف میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

استأذنت ربی استغفر لأمّی فلم یاذن لی۔

میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لئے دعاء مغفرت کی اجازت مانگی مگر مجھے اجازت نہ ملی۔

دعا کی اجازت فقط مسلمان میّت کے لیے ہے۔ کافر کے لئے نہیں۔ اگر آپ کی والدہ اہلِ ایمان میں سے ہوتیں تو دعاء کے لیے اذن طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور اگر اذن طلب کیا تھا تو اجازت مل جاتی لیکن دعا کے بارے میں اذن طلب کرنا اور اذن نہ ملنا اس بات پر شاہد ہے کہ آپ کی والدہ اہلِ ایمان میں سے نہیں تھیں۔

جواب۔ آپ کا اذن طلب کرنا اور اجازت نہ ملنا پہلے کا واقعہ ہے جبکہ زندہ کر کے مشرف بہ اسلام کرنا بعد کا واقعہ ہے اور اس کی تصدیق و تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جو روایات زندہ ہو کر اسلام لانے کی ہیں ان میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوع پذیر ہوا اور اس واقعہ کا حجۃ الوداع کے موقع پر وقوع پذیر ہونا ان روایات کے متاخر ہونے اور اذن نہ ملنے والی روایات کے متقدم ہونے پر

شاہد عادل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے زندہ ہو کر اسلام لانے والی روایات کو ناسخ اور دیگر روایات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ہم یہاں چند محدثین کی آراء ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے ان تمام روایات میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے بیان کی ہیں۔

۱۔ مشہور مفسرِ قرآن امام قرطبی اپنی کتاب "التذکرہ" میں ان روایات میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا تعارض و الحمد للہ	الحمد للہ ان احادیث میں کوئی تعارض
لان احیاءھما متأخر عن	نہیں کیونکہ والدین کا زندہ ہونا نہی عن
النھی بالاستغفار لھما	الاستغفار کے بعد کا ہے۔ اس پر واضح
بدلیل عائشۃ رضی اللہ عنہا	شہادت حضرت عائشہ سے مروی
ان ذلک کان فی حجۃ الوداع۔	روایت ہے کہ آپ کے والدین کا زندہ ہونے
(التذکرہ فی احوال الموتی والقبور والآخرۃ،	کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا ہے۔

۲۴۔ مطبوعہ بیروت)۔

۲۔ فخر المحدثین امام ابنِ شاہینؒ کے حوالے سے امام قرطبیؒ تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وکذلک جعلہ ابن شاھین	امام ابنِ شاہین نے حضرت عائشہ سے مروی
ناسخا لما ذکر من الاخبار	روایت (زندہ ہو کر اسلام لانا) کو دیگر
(التذکرہ"، ۲۴)	روایات کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

۳۔ امام عبدالباقی زرقانی نے تعارض کو ختم کرتے ہوئے بہت ہی خوب بات کہی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی گفتگو کو "نفیس جدًا" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

ویمکن الجواب عن الحدیثین	ان دونوں روایات (ان ابی و

انها كانت موحدة غير
انهما لم يبلغا شان البعث
و النشر و ذلك اصل
كبير فاحياهما الله له حتى
امنا بالبعث ولجميع ما فى
الشريعة ولذا تأخر احياهما
الى حجة الوداع حتى تمت
الشريعة و ينزل " اَلْيَوْمَ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا" فاحييت حتى امنا
بجميع ما انزل الله عليه
هذا معنى نفيس جدا.

(زرقانی، ۱: ۱۷۶)

اباک فی النار" اور " استاذنت
ربی") کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے
کہ آپ کے والدین اللہ کی توحید پر
ایمان رکھتے تھے مگر قیامت، رسالت
اور دیگر شریعت پر تفصیلی ایمان نہ تھا
حالانکہ آخرت وغیرہ پر ایمان ایک اہم
جزء ہے۔ یہ بات اس لیے قابلِ توجہ
ہے کہ ان کا زندہ ہونا اس موقع پر
وقوع پذیر ہوا جب شریعت مکمل طور
پر نازل ہو چکی تھی اور اس کے بارے
میں ان الفاظ میں اعلان ہو چکا تھا:
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ
دِیْنًا۔ لہٰذا ایسے موقع پر اللہ نے انہیں
زندگی دی تاکہ وہ شریعت پر تفصیلی
ایمان لے آئیں۔ یہ گفتگو بہت ہی نفیس ہے۔

۴۔ امام شامی حضور علیہ السلام کے والدین شریفین کے ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے
ان مذکورہ دونوں روایات " ان ابی و اباک فی النار" اور "استاذنت
ربی " کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا ینافی ما فی صحیح المسلم

صحیح مسلم میں جو روایات آئی ہیں کہ

استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی وما فیہ ایضاً ان رجلاً قال یارسول اللہ این ابی؟ قال فی النار فلما دعاہ فقال ابی و اباک فی النار لامکان ان یکون الاحیاء بعد ذلک لانہ کان فی حجۃ الوداع۔

(فتاوٰے شامی ۱')

میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کی مغفرت کے بارے اجازت طلب کی تو مجھے اذن نہ ملا اور ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ میرا والد کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں: یہ دونوں آپ کے (والدین کے) عدم ایمان پر اس لئے دال نہیں ہو سکتیں کہ ان کا زندہ ہو کر آپ کی ذات پر اسلام لانا ان کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔

۵ امام اسمٰعیل حقّی لکھتے ہیں:

واما ماروی عنہ فلم یؤذن لی فی الشفاعۃ فھو متقدم علی احیاھما لانہ کان فی حجۃ الوداع فمن الجائز ان تکون ھذہ الدرجۃ حصلت لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ان لم تکن۔

(تفسیر روح البیان: ۱، ۱۲۷)

روایات میں جو آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفاعت کا اذن مانگا تھا مگر اجازت نہ ملی تھی۔ یہ بات آپ کے والدین کے زندہ ہونے سے پہلے کی ہے کیونکہ زندہ ہونے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ کا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ مقام اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطاء نہ کیا ہو اور اب عطا فرما دیا ہو۔

۶۔ امام جلال الدین سیوطی رقمطراز ہیں:

القول فی الاحادیث التی وردت فی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار کلھا منسوخۃ اما باحیاھما وایمانھما واما بالوحی فی ان اھل الفترۃ لایعذبون۔	وہ روایات جو آپ کے والدین کے آگ میں ہونے کے بارے میں ہیں وہ تمام منسوخ ہیں یا تو اس لیے کہ وہ زندہ ہو کر اسلام لے آئے یا اس لئے کہ اہل فترت کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔

(التعظیم والمنۃ : ۷۴)

ان محدثین ومفسرین کی تصریحات وتحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ جو روایات آپ کے والدین کے عدم ایمان پہ دال ہیں وہ تمام کی تمام متقدم ہیں اور ان کے ایمان پر شاہد روایات بعد کی ہیں۔ لہٰذا عدم ایمان کی تمام روایات کو منسوخ قرار دیتے ہوئے آپ کے والدین کے ایمان کا قول کیا جائے گا۔

۲۔ دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ غیر نبی اور غیر رسول کے لیے استغفار کا لفظ اس کے حق میں گناہ کا وہم پیدا کرتا ہے۔ چونکہ آپ کے والدین نے زمانہ فترت پایا ان کے لیے اعتقاد کے لیے عقیدۂ توحید کافی تھا۔ شریعت اور احکام الٰہی موجود نہ تھے کہ جس کی وجہ سے گنہگار کہلاتے لہٰذا اذنِ استغفار نہ ملنا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گنہگار نہ تھے۔

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ یہی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "والدہ مکرمہ کے لیے حضور علیہ السلام کو استغفار کا اذن نہ ہونا بھی معاذ اللہ ان کے کفر کی دلیل نہیں بلکہ گناہوں سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ غیر نبی اور غیر رسول کے لیے استغفار کا لفظ اس کے حق میں گناہ کا وہم پیدا کرتا ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

ایامِ فترت میں تھے۔ اِس لئے ان کی نجات کے لیے اعتقادِ توحید کافی تھا۔ کسی شریعت واحکامِ الٰہی کا اس وقت وجود نہ تھا جس کی وجہ سے کوئی گنہ گار قرار پاتا اور اس سے اُن کا بچنا ضروری ہوتا۔ لہٰذا ان کے حق میں استغفار کا اذن نہ ہوا تاکہ کسی کا ذہن ان کے گناہ کا وہم پیدا نہ کرے۔"

(مقالاتِ کاظمی : ۱/ ۶۴)

سوال ۳ : امام اعظم کا موقف یہی ہے کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی۔ آپ نے اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں تصریح کردی ہے کہ "ماتا علی الکفر"۔ ان دونوں کی وفات کفر پر ہوئی۔

جواب ۔ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:۔

یہ "فقہ اکبر" میں کسی شخص نے اضافہ کردیا ہے ۔ کیونکہ معتمد نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ۔

امام طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

وما فی الفقہ من ان والدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الکفر مدسوس علی الامام وعلی النسخ المعتمد لیس لھا شیئ من ذلک۔ (حاشیہ درمختار)	فقہ اکبر میں جو موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی وفات کفر پر ہوئی یہ امام صاحب پر الزام اور تہمت ہے۔ اس کتاب کے معتمد نسخوں میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔

۲ ۔ اصل عبارت "ماتا علی الکفر" نہیں "ما ماتا علی الکفر" ہے ۔ ایک "ما" یہاں سہو کتابت کی وجہ سے نہ لکھا جا سکا جس سے

غلط فہمی پیدا ہوئی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ فقہِ اکبر کے قدیم نسخوں میں "ما" کا لفظ موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ زبیدی " الانتفاد لوالدی النبی المختار" میں اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفیٰ الحلبی کے دستِ اقدس کے ساتھ "فقہِ اکبر" کے اس مقام پر یہ الفاظ پائے جس میں انہوں نے سہوِ کتابت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا:

ان الناسخ لما رأی تکرر ما فی ما ماتا ظن ان احدا ھما زائدۃ فحذفھا فذاعت نسختہ الخاطئۃ (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص ۱۱۹)

جب کاتب نے "ما" کا لفظ دو مرتبہ لکھا ہوا پایا تو اس نے محسوس کیا کہ شاید ایک "ما" زائد ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے "ما" کو عمداً نہ لکھا۔ اس وجہ سے غلط نسخہ چھپ گیا۔

شیخ مذکور نے فقہ اکبر کی عبارت کے سیاق و سباق سے اس پر دلیل قائم کی کہ واقعتاً یہاں سہوِ کتابت ہے۔ دلیل دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن الدلیل علیٰ ذٰلک سیاق الخبر لان اباطالب والابوین لو کانوا جمیعا علیٰ حالۃ واحدۃ جمع الثلاثۃ فی الحکم بجملۃ واحدۃ لا بجملتین مع عدم التخالف بینھم فی الحکم۔ (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص [illegible])

سیاق کلام دال ہے کہ یہاں کلمہ "ما" ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے چچا ابوطالب اور آپ کے والدین کا اگر ایک ہی حکم ہوتا تو ان تینوں کا حکم ایک ہی جملہ میں لکھ دیا جاتا۔ دو جملوں میں لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم الگ ہے۔

شیخ ابراہیم قوتلانی اپنے مقالے "امام علی القاری" میں یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے مصر میں دو ایسے قدیم نسخوں کو دیکھا ہے جن میں "ما" کا لفظ موجود ہے۔

و انی بحمد الله رأیت لفظ "ما ماتا" فی نسختین بدار الکتب المصریة قدیمتین و علی القاری بنی شرحه علی النسخة الخاطئة۔	الحمد للہ میں نے مصر میں فقہ اکبر کے دو قدیم نسخے ایسے دیکھے ہیں جن میں "ما" کا کلمہ دو مرتبہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں سے محسوس ہوتا ہے کہ ملا علی قاری کے سامنے فقہ اکبر کا غلط نسخہ تھا جس میں کلمہ "ما" نہیں۔

جب محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں ایک "ما" سہو کتابت کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے تو اس عبارت کو دلیل بنانا ہرگز درست نہیں۔

پھر اپنے اسی مقالے میں اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ کے مکتبہ شیخ الاسلام میں دورِ عباسیہ کے تحریر کردہ "فقہ اکبر" کا نسخہ دیکھا جس میں یہ تمام عبارت نہیں ہے۔ بلکہ وہاں الفاظ یہ تھے۔

و والدا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ماتا علی الفطرة و ابوطالب مات کافرا۔	آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد گرامی کی وفات فطرت پر اور ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی۔

(الامام علی القاری و اثرہ: ۱۱۰)

سوال ۴: حضرت ملا علی قاری آپ کے والدین کے کفر کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر باقاعدہ کتاب لکھی ہے۔

جواب۔ حضرت ملا علی قاری نے واقعتاً اس موضوع پر کتاب لکھی تھی مگر علماء نے

اُن کے اس عمل کو پسند نہیں کیا بلکہ آخری عمر میں انہوں نے خود اس بات سے رجوع کرلیا تھا۔ محشی نبراس علامہ برخوردار لکھتے ہیں:

فقد اخطأ وزل لا یلیق ذلک له نقل توبته من ذلک فی القول المستحسن

(حاشیہ نبراس : ۵۲۶)

ملا علی قاری سے اس مسئلہ میں خطاء ہوئی اور وہ پھسل گئے لیکن "القول المستحسن" میں مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں رجوع کرلیا یعنی توبہ کرلی تھی۔

ملّا علی قاری کی تصریح

الشیخ مصطفےٰ الحمامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرح شفاء میں ملّا علی قاری نے جو گفتگو کی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔ شرح شفا کے وہ دو مقامات یہ ہیں:

۱۔ ایک مقام پر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ "ذی المجاز" کے مقام پر سواری کی حالت میں ابوطالب نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے مگر پانی نہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری سے اتر کر زمین پر پاؤں مارا۔ وہاں سے پانی نکل آیا تو آپ نے فرمایا چچا! یہ پانی پی لو۔ اس کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وابوطالب لم یصح اسلامه وابویه ففیه اقوال والاصح اسلامهما علی ما اتفق علیه الاجلة من الامة۔

شرح شفاء : (۱:۰۰)

ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں مگر آپ کے والدین کے ایمان کے بارے میں مختلف اقوال میں مختار یہی ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ امت کے اکابر کا اس پر اتفاق

۲۔ دوسرے مقام پر ملا علی قاری اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اما ما ذکروا من احیائہ علیہ الصلوۃ والسلام ابویہ فالاصح وقع علی ما علیہ الجمھور الثقات کما قال السیوطی فی رسائلہ۔

(شرح الشفاء: ۱، ۶۴۸)

علماء نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام قبول کرنا بیان کیا ہے۔ یہی مختار ہے۔ جمہور علماء امت کی یہی رائے ہے۔ امام سیوطی نے اس موضوع پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں۔

یاد رہے کہ شرح الشفاء ملا علی قاری کی آخری تصانیف میں سے ہے۔

یہ نسخہ شرح شفا استانبول ۱۳۱۶ھ کا مطبوعہ ہے، فقیر کے پاس موجود ہے۔

فضائل و مناقب
سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

تصنیف

شیخ المحدثین امام عبد الرؤف المناوی

۹۵۲ — ۱۰۳۱

ترجمہ

علامہ اکبر علی خان قادری

عالمی دعوت اسلامیہ

تحریر: شیخ الاسلام شیخ محمد بن علوی المالکی

یہاں ہم امام اعظمؒ کی طرف حضورؐ کے والدین کے بارے میں جو کچھ منسوب ہے کہ وہ آپؐ کے والدین کے کفر کے قائل تھے، اُس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا اِس قول سے رجوع ثابت ہے جیسے شیخ مصطفیٰ الحمامی نے "النہضۃ الاصلاحیۃ" میں لکھا ہے۔ ملا علی قاری کی طرف ایک کتابچہ منسوب کیا جاتا ہے جس کا نام (ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام) ہے جس میں آپؐ کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کی گئی ہے جس سے بچنا لازم تھا کیونکہ یہ کلام بارگاہِ مصطفوی میں تکلیف کا باعث بنتا ہے اور آپ کو اذیت دینا عظیم گناہ ہے۔

محدث ابن ابی الدنیا اور ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ابولہب کی بیٹی درۃ ایک آدمی کے پاس سے گزری اس آدمی نے ان کو دیکھ کر کہا۔ یہ لڑکی اللہ کے دشمن ابولہب کی بیٹی ہے پس حضرت درۃ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے شخص بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا ذکر رشتہ داری اور ان کے شرف نسب کے لحاظ سے کیا ہے۔ جبکہ تیرے باپ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اُن کی جہالت کی وجہ سے نہیں کیا۔ پھر حضرت درۃ نے حضور علیہ السلام سے اس واقعہ کی شکایت کی آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا:

لا یؤذین مسلم بکافر — کسی مسلم کو کافر کی وجہ سے طعنہ دیکر تکلیف نہ دو۔

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کا اس طرح ذکر نہ کرو جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور انہیں دکھ اور الم کا سامنا کرنا پڑے۔

مسلمان کی ہمیشہ عزت کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مسلمان کے قریبی رشتہ دار کافر ہوں تو اُن کے حوالے سے اس سے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ جس سے اُس مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اس کے غصے کا باعث بنے۔

جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو سرکار کے بارے میں گفتگو کرنے میں تو بدرجہٗ اولیٰ یہ رعائت کرنی چاہیئے کہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جو ناراضگی کا سبب بنے۔ اسلامی تقاضا اور ادب یہ ہے کہ آپ کے خاندان کے وہ افراد جو حالت کفر پر فوت ہوگئے ان کا بھی اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو سرکار کی بارگاہ کی اذیت کا سبب ہو تو آپ کے والدین کے بارے میں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے!

ابن مردویہ نے ابن عمر، ابی ہریرہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ابولہب کی بیٹی درہ جب مہاجر ہو کر مدینہ پاک آئی تو عورتوں نے انہیں کہا۔

انت درة بنت ابی لهب	تو ابولہب کی بیٹی درہ ہے جس کے بارے
الذی یقول الله تبت	میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
یدا ابی لهب۔	ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوجائیں

حضرت درہ نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں شکایت کی حضور علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا:

ایها الناس مالی اوذی فی	اے لوگو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم میرے
اهلی فوالله ان شفاعتی	خاندان کے حوالے سے مجھے تکلیف دو۔
لتنال بقرابتی حتی ان	اللہ کی قسم میری شفاعت میرے قریبی
حکما وحاء وصدا وسلبها۔	رشتہ داروں کو پہنچے گی۔ یہاں تک کہ میرے

حکم۔ حاء صدا اور ان کے پیچھے آنیوالوں[1]
کو بھی قیامت کے دن میری قرابت کیوجہ
سے میری شفاعت حاصل ہو گی۔

اس موضوع پر یہ حدیث نص کا درجہ رکھتی ہے کہ آپ نے لوگوں کو ابولعب کے حوالے سے تذکرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تم میرے خاندان کے حوالے سے مجھے تکلیف نہ دو۔ جب حضور علیہ السلام نے ابولھب کے حوالے پر ناراضگی فرمائی۔ حالانکہ وہ قطعی طور پر کافر ہی مرا۔ تو اس شخص پر سرکار کتنے ناراض ہوں گے جو آپ کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کرتا ہے جو کہ فطرت پر فوت ہوئے۔ جس کے بارے میں ابھی گفتگو آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

لازمی بات ہے آپ اس شخص پر زیادہ ناراض ہوں گے جو آپ کے والدین کریمین کی بارگاہ میں اہانت یا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ حضور کے والدین وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت سے نوازا۔ اور ان کے پاک وجود سے اس کائنات کے سردار اور پاک ہستی کو پیدا فرمایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص جو آپ کے والدین کی اہانت کرتا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو لعنت کا مستحق اور اللہ کی رحمت سے دور کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ	وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ	ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ	اور آخرت میں اپنی رحمت سے محروم کر

---

[1] یہ قبائل کے نام ہیں۔

وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ دیتا ہے اوران کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب ہم مذکورہ رسالے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ امام اعظمؒ کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ حضور کے والدین قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان پر بہت بڑی اور واضح تہمت ہے اور پھر یہ اس سے بھی بڑھ کر تہمت ہے کہ رسالے کا نام ادلۃ معتقد ابی حنیفہ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام ہے (حضور کے والدین کے بارے میں امام اعظم کا عقیدہ یعنی کہ وہ کافر جانتے تھے) اگر کوئی قاری یہ اعتراض کرے کہ ملا علی قاریؒ نے اس رسالے کے شروع میں لکھا کہ امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں کہا ہے : والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر۔

جب ان کی کتاب میں موجود ہے تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اس قول کی امام اعظمؒ کی طرف نسبت کرنا تہمت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر میں ماتا علی الکفر کے الفاظ نہیں بلکہ اس میں عبارت یوں ہے :

والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابوطالب مات کافرا حضور کے والدین فطرت پر فوت ہوئے جبکہ ابوطالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

میں نے یہ عبارت خود اس قدیم نسخہ میں دیکھی ہے جو مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری میں موجود ہے۔ بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ یہ نسخہ عہد عباسی کا تحریر کردہ ہے۔ لائبریری میں یہ نسخہ جس مجموعہ کتب میں محفوظ ہے اس کا نمبر ۲۳۰ ہے جو شخص فقہ اکبر کے اس نسخہ کو دیکھنا چاہیے۔ وہ اس لائبریری سے رجوع کرے۔ یقیناً وہ اس نسخے میں

وہی الفاظ پائے گا جو ہم نے یہاں نقل کئے ہیں اور مجھے دیکھے ہوئے کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ یہ موسم حج ۱۳۵۴ کی بات ہے اور آج وقت تحریر ۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ ہے۔ یعنی پانچ ماہ اور کچھ دن ہوئے ہیں کیونکہ میں ۱۳۵۴ ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ تھا جو کوئی تھوڑا سا بھی تامل سے کام لے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ملا علی قاریؒ کے نسخے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ اہم خرابیاں ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ اس قدیم نسخے کی مخالفت کرتا ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

۲۔ دوسری یہ ہے کہ اس میں تدلیس ہے کیونکہ جب کوئی شخص ملا علی قاریؒ کی منقولہ عبارت کے بعد یہ جملہ پڑھتا ہے (و ابوطالب مات کافرا) تو از خود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب حضور کے والدین اور ابوطالب تمام کفر پر فوت ہوئے تو فقہ اکبر کی عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔ "و والدا رسول اللہ و ابوطالب ماتوا کفارا" یعنی حضور علیہ السلام کے والدین کا کفر ہنگ اور ابوطالب کے کفر کو الگ ذکر نہ کیا جاتا۔

رہا معاملہ ہمارے نسخے کا تو یہ بہت ہی واضح ہے۔ ابوطالب کے کفر کے افراد میں کیونکہ یہاں حکم ہی دو تھے۔ اس لیے پہلے اس میں حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابوطالب کے کفر پہ تصریح ممکن ہے قاری کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ملا علی قاریؒ نے جو کفر کا لفظ نقل کیا ہے وہ اس لفظ فطرت سے محرف ہو کر بنا ہو جو اس مذکورہ نسخے میں موجود ہے۔ کیونکہ ان دونوں الفاظ کفر اور فطرۃ کے درمیان واضح قرب ہے۔

کیا یہ تحریف مقصود ہو سکتی ہے کہ ابوطالب کے حکم کو حذف کر دیں اور کہیں:

(و والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابوطالب ذالک)

اگر ایسا ہو تو پھر ہم نہیں جانتے کہ یہ حذف مؤلف سے ہوا یا کہ ناشر سے اور یہ مسئلہ

اصلاً باطل ہے۔ کیونکہ جو کچھ اس میں لکھا تھا اس سے رجوع کے بعد مصنف نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

پہلا مقام صفحہ ۶۰۱ پر ہے جبکہ دوسرا مقام صفحہ ۶۲۸ پر ہے۔ اور یہ شرح شفا کا نسخہ ۱۳۱۶ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا۔[1]

پہلا مقام متن قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ابو طالب نے حضور اکرم سے ذی مجاز کے مقام پہ کہا:

عطشت ولیس عندی	مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے جبکہ میرے
ماء فنزل النبی وضرب	پاس پانی بھی نہیں ہے اس پر حضور
بقدمه الارض فخرج الماء	علیہ السلام سواری سے نیچے اترے اور
فقال اشرب۔	اپنا قدم مبارک زمین پر مارا جس سے زمین

سے پانی نکل آیا۔ اور ابو طالب سے کہا پی لو اس کے تحت ملا علی قاریؒ شیخ دلجیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

الظاهر ان هذا كان	ظاہر یہی ہے۔ یہ واقعہ اعلانِ نبوت
قبل البعثة يعني فيكون	سے پہلے کا ہے۔ یعنی یہ ارہاصات[2]
من الارهاصات	میں سے ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ
ولا يبعد ان يكون	یہ واقعہ اعلانِ نبوت کے بعد وقوع

---

[1] شرح شفاء کا یہ نسخہ میرے پاس موجود ہے جس کی فوٹو حاصل کی جاسکتی ہے۔
محمد خان قادری

[2] وہ معجزات جو آپ کو اعلان نبوت سے قبل نصیب ہوئے۔

بعد النبوۃ فھومن المعجزات۔ پذیر ہوا ہو۔ یوں اس کا تعلق معجزات سے ہوگا۔

شاید اس میں اس طرف اشارہ ہو کہ آخری زمانے میں آپ کے قدموں کی برکت سے عرفات میں ایک پانی کا چشمہ جاری ہو اور اس کی برکات مکہ اور اس کے ارد گرد میں ظہور پذیر ہوں۔

ابوطالب کا اسلام لانا ثابت نہیں اور جہاں تک آپ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسلام پر تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کا یہی قول ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس موضوع پر اپنے تین رسائل میں اس کو واضح کیا ہے۔

۲۔ دوسرا مقام

دوسرے مقام پر شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے والدین کو زندہ کیا تھا۔ جمہور علماءِ ثقہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ جب کہ امام سیوطیؒ نے اپنے تین رسائل میں اس کی تصریح کی ہے۔

پس خود مؤلف رسالہ شیخ ملا علی قاری نے حق وصواب کی طرف رجوع کر کے رسالہ کا رد کر دیا۔ یہی شان تھی ہمارے سابقہ اکابر علماء کی کہ وہ جب کبھی کسی غلطی کے مرتکب ہوتے تو حق کی طرف رجوع کرنے کے لیے انتظار نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی اُن سے کوئی نافرمانی ہوتی تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جب بھی ان میں کوئی نقص رونما ہوتا تو کمال کی طرف بڑھتے۔ جب کبھی وہ اپنے مقام سے ذرا نیچے کی طرف گرتے تو فوراً چوٹی اور رفعت کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے۔

ہمارے پاس والدین نبی کی نجات پر یہی دلیل نہیں بلکہ مذکورہ بالا گفتگو کے علاوہ

بھی ایک دلیل ہے جو آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین زمانۂ فترہ میں فوت ہوئے۔ اُس دور میں کوئی ایسا رسول یا نبی نہ تھا جو ان کو ان کے رب کی طرف سے واجبات کی تعلیم دیتا۔ ان پر زمانہ طویل ہوتا رہا۔ اور وہ اسی حالت میں رہے۔ بے شک یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے دور کے بعد ہے۔ جس میں ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ یوں آپ کے والدین دیگر عرب کی طرح معذور ہیں۔

ہم یہ بھی چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر غور کیا جائے: وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ۔

اس آیت کریمہ کے یہ الفاظ (لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ) نہایت ہی قابلِ توجہ ہیں۔ جس میں اس دور کے باسیوں کی طرف واجبات سے دوری کا عذر پیش کیا گیا ہے۔ بایں صورت کہ ان کے آباء کو کسی نے اللہ کے خوف سے نہیں ڈرایا۔ تاکہ وہ جانتے کہ ان کے رب کے ان پر کچھ حقوق ہیں جن کی ظاہراً و باطناً پیروی ضروری ہے۔ یوں انکے والدین اپنے والدین کی روش پر پرورش پاتے۔ یعنی واجبات پر عمل پیرا نہ تھے۔

اس آیت کریمہ سے فرق واضح ہوا۔ اس بچے جو نیک والدین میں پرورش پایا ہو اور اس بچے کے درمیان جو فاسق والدین کے درمیان پرورش پایا ہو ـــــ پہلی صورت میں بچہ دین سے آگاہ اور اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کے قوانین کی اتباع کرے گا جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی قوم کا نقل کیا ہے۔ جبکہ ان پر سیدہ مریم کی حقیقت حال

واضح نہیں تھی تو ان کی قوم نے ان سے کہا :

یا اخت ھرون ما کان	اے ہارون کی بہن تمہارا باپ تو کوئی
ابوک امرأ سوء وما کانت	ایسا (برا) آدمی نہ تھا اور نہ ہی تمہاری
امک بغیاً	ماں کوئی باغی عورت تھی ۔

یعنی تم سے اس طرح کے فعل کا سرزد ہونا عجیب ہے کیونکہ تمہارے والدین تو ایسا کام نہیں کرتے تھے ۔

قرآن نے اہلِ فترہ سے عذاب کی نفی کی تصریح کی ہے ۔

وما کنا معذبین حتی	ہم جب تک کسی قوم میں رسول نہ بھیج
نبعث رسولا ۔	دیں اس کو سزا نہیں دیتے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں میں سے کسی کو اصول و فروع کے ترک پر عذاب نہیں دیتا ۔ جب تک ان میں میرا کوئی رسول موجود نہ ہو ۔ جب لوگ عہدِ رسالت سے دور ہوں ۔ سابقہ شریعت میں تحریف و تبدیلی آچکی ہو ۔ اور ان میں کوئی ایسا اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہ آیا ہو ۔ جو انہیں متنبہ کرے اور سمجھائے کہ جن واجبات کو تم چھوڑ رہے ہو اُن کا چھوڑنا تمہارے لیے جائز نہیں تو ایسے لوگوں پر گرفت نہ ہوگی ۔ اگر رسول بھیجے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے ۔ حالانکہ ہمارا رب نہایت ہی عادل و حاکم ہے جو کبھی بھی کسی کو ناحق عذاب نہیں دیتا ۔

حضور علیہ السلام کے والدین نے اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح ایسے زمانے میں زندگی بسر کی جب کوئی غیر متبدل شریعت موجود نہ تھی اور نہ ہی کوئی رسول تھا ۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والدین کی وفات کے بہت عرصہ بعد اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا ۔ آپ کے والد گرامی تو اس وقت فوت ہو گئے تھے جب

آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے ۔ جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ کی عمر مبارکہ چار سال یا اس سے بھی کچھ کم تھی ۔ لہٰذا آپ کے والدین کریمین دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا ۔ جس طرح زمانہ فترہ کے باقی لوگوں کے ساتھ ہوگا ۔ علماء امت کی اکثریت کا یہی قول ہے

اگر تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ بعض اہل فترہ عذاب میں مبتلا ہیں تو اس حدیث کی رو سے باقیوں کو بھی ان پر قیاس کر لیا جائے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملہ میں جتنی بھی احادیث مبارکہ ہیں، وہ تمام کی تمام خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں ۔ اخبار احاد کا قرآن پاک کے ساتھ مقابلہ نہیں کرایا جاسکتا

شاید تمہارے ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ یہاں تعارض پیدا ہوتا ہے ۔ اگر بظاہر تعارض ہے تو اس کا رفع اس طرح ممکن ہے کہ وہ احادیث ان اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں جن کے احوال کا وہاں ذکر ہے ۔ تو اب قیاس کیسے درست ہوگا علاوہ ازیں ایسے مواقع پر قیاس جائز بھی نہیں ہوتا ۔

ممکن ہے ذہن میں یہ بات آئے کہ ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی ۔ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس واقعہ سے قبل کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا تھا تاکہ آپؐ پر ایمان لے آئیں ۔ اور واقعتاً یہ زندگی ان کو نصیب ہوئی اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور یہ جمہور ائمہ کی رائے ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس زندگی کے بعد آپ کے والدین کو ایمان نصیب ہوا اور اس سلسلہ میں سابقہ آیات مبارکہ بھی ممد ومعاون ہیں کیونکہ وہ آیات کریمہ بھی آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہیں یوں ان آیات اور احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض

نہیں کیونکہ اولاً تو یہ احادیث مبارکہ احاد ہیں ثانیاً یہ آپ کے والدین کے دوبارہ زندہ ہونے سے قبل وارد ہوئی ہیں اور پھر ان احادیث مبارکہ میں چوٹی کے علماء نے تکلم کیا ہے۔ جس کے بعد ان احادیث سے استدلال کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ امام سیوطیؒ نے تنہا اس موضوع پر تین رسائل لکھے جن کا ذکر ملا علی قاریؒ نے بھی فرمایا ہے۔

ملا علی قاریؒ کے رجوع کے معاملہ پر بھی سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ ان کی آخری رائے کونسی ہے؟ تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ اگر اس رسالے کو آخری مان لیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی تصنیف شرح شفا میں آپؐ کے والدین کریمین ـــــــ کے ایمان اور نجات کا جو قول کیا تھا، اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یا شرح شفا والا قول آخری ہو تو اب کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ لہٰذا ہم اس نقطے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے جو کچھ شرح شفا میں لکھا وہ ان کی آخری رائے ہے۔ اس صورت میں معاملہ بڑا واضح ہے لیکن اگر ملا علی قاریؒ کے رسالے کو آخری قول قرار دیا جائے تو معاملہ نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور جو چیز اس معاملے کو اور آسان کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں اس بات کی تصریح کر دی کہ حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ علماء اجل کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور یہی قول جمہور ثقہ علماء کا بھی ہے اور اب اگر ملا علی قاریؒ ایسے قول سے رجوع کر کے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے رسالے میں ہے۔ تو پھر گویا انہوں نے علماء امت اور جمہور کی مخالفت کی تو اس رسالے کی کیا قیمت ہوگی جو جمہور اور ثقہ علماء کے مقابل ہو۔ اب ملا علی قاریؒ ایک طرف اور جمہور علماء دوسری

ایسی بات کہہ دی جس کا بطلان واضح ہے۔

جب ہم نے ثابت کر دیا کہ امام اعظمؒ کا موقف ہے کہ آپ کے والدین دین فطرت پر فوت ہوئے۔ تو ملا علی قاریؒ کا قول از خود باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امام اعظمؒ کے کے مقابلے میں ملا علی قاریؒ کا کوئی مقام نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالے میں جو کچھ لکھا وہ امام صاحب کے محرف کلمات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا۔ اور ان کی سب سے قوی دلیل یہی الفاظ تھے اور پیچھے ہم تفصیلی دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ ان کلمات کی کوئی اصل نہیں بلکہ وہ تحریف شدہ ہیں۔

علامہ آلوسیؒ جن کا شمار اسلاف ثقہ میں ہوتا ہے' اپنی تفسیر روح المعانی میں تقلبک فی الساجدین' کے تحت لکھتے ہیں کہ بے شک حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا قول اہل سنت وجماعت کے کثیر علماء کا ہے۔

وانا اخشی الکفر علی من	میں ہر اس شخص کے بارے میں کفر کا
یقول فیھما رضی اللہ عنھما	خوف محسوس کرتا ہوں جو آپ کے والدین
علی رغم الف علی القاری	کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہو
واضرابہ بضد ذلک	ملا علی قاریؒ اس معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ان دونوں چچا ابوطالب وابولہب کے لیے رحمت ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھا۔ آپ کی دعوت حق کو اپنے کانوں سے سنا اور پھر بھی کفر پر موت تک ڈٹے رہے۔

احادیث نبویہ کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ان دونوں چچاؤں نے

کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں تخفیف کردی۔ جبکہ آپ کے دوسرے چچا ابولہب کو بعض اوقات کے لیے عذاب میں تخفیف کردی بلکہ اللہ کی قسم! آپ کا مبارک وجود تمام کفار کے لیے رحمت ہے جنہوں نے کھلم کھلا آپ کو جھوٹا کہا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ۔ — اللہ یہ پسند نہیں کرتا کہ جب تک تو ان کافروں میں رہے وہ انکو عذاب دے۔

تو پھر آپ کا وجود اپنے والدین کے لیے کیسے رحمت نہ ہوگا؟ جو دین فطرت پر فوت ہوئے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر جمہور ثقہ کا موقف ہے۔

آئیں آپ بھی قدم بڑھائیں

جامع مسجد حنفیہ فیضان رسول کا ایک شعبہ نشر واشاعت جس کے ذریعے عقائد واعمال سنوارنے کے لیے بہترین علمی وفکری لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بحالی کے لیے مثبت اور معیاری لٹریچر نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس خدمت کو سرانجام دینے کے لیے مخلص معاونین کے تعاون سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں مختلف موضوعات پر متعدد کتابچے شائع کیے جاچکے ہیں آپ بھی اس سلسلہ میں عطیات جمع کروا کر اشاعت دین میں علمی تعاون فرمائیں شکریہ

دعاگو"

انتظامیہ جامع مسجد حنفیہ فیضان رسول شام نگر چوبرجی لاہور

0321-4094405-042-7469718

فیضان رسولِ فاؤنڈیشن
کی دیگر مطبوعات
کیا
اولیاء اللہ اور بت
ایک ہیں؟
مفتی محمد خان قادری
حُبِّ اہلِ بیت
عقیدۂ ختمِ نبوت